بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کرگئے ۱ لاکھوں سے تشنہ کام لڑے، کام کرگئے
اُمت کی مغفرت کا سر انجام کرگئے فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کرگئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر اُن کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد ۲ ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گُلِ مراد مردانگی یہ پیاس میں، فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کون سا اُن کا کٹا نہ تھا
پر معرکہ سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

برسوں رہے گا چرخ میں گو آسمانِ پیر ۳ لیکن نظر نہ آئے گا ان کا کہیں نظیر
گورے نہ اُن کے پاؤں، نہ روئے مہِ منیر خورشید جن کے سامنے اک ذرّۂ حقیر
پُرخوں قبائیں جسم میں سینے تنے ہوئے
پہنچے ریاضِ خلد میں دولھا بنے ہوئے

رستم اٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے ۴ شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنیٔ قمر اُن کے سامنے اُڑتا تھا رنگِ رُوئے سحر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود ۵ دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں دُرود
رخ سے عیاں جلال و جواں مردی و نمود شیدائے آل، شیفتۂ واجبُ الوجود
جینے کی شاہ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جِلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی اُنھیں صحبتِ امام ۶ تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدرؑ سے دل کے جام ذی قدر، ذی شعور، دلاور، خجستہ کام
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب، ہزاروں میں لاجواب ۷ تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور، وہ جلال، وہ رونق، وہ آب و تاب زہراؑ کے گھر کے چاند، زمانے کے آفتاب
بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
سِن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال اُن پہ آ گیا

گُل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ ۸ جعفرؑ کے لاڈلوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ اِنفراغ پامال ہو گیا حسنِؑ مجتبیٰ کا باغ
لاشے اٹھائے، جنگ کرے، یا بُکا کرے
جس پر گریں یہ کوہِ مصیبت وہ کیا کرے

صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر ۹ نکلے نبرد کو اسداللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیرِ نر رخصت ہوئے حسینؑ سے عباسِ نامور
دریا بہے لہو کے، بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دو پہر کہ علم سرنگوں ہوا

پیری میں قہر ہے خبرِ مرگِ نوجواں ۱۰ ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بیبیاں تھا خانۂ علیؑ میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر اُلٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلِ بیتؑ ۱۱ دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلِ بیتؑ
ہم لٹ گئے گزر گیا سقائے اہلِ بیتؑ فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلِ بیتؑ
ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زبان اب کسے بچے دکھائیں گے

ہلتا تھا خیمہ روتے تھے یوں اہلِ بیتِ شاہ ۱۲ صدمے سے حالِ زوجۂ عباسؑ تھا تباہ
چلّاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ لُوٹی گئی میں دشتِ پُر آفت میں آہ! آہ!
خم تھے، گرا تھا کوہِ مصیبت حسینؑ پر
ماتم تھا بیبیوں میں سکینہؑ کے بین پر

ماتم اِدھر تھا، جشن میں تھے اہلِ شر اُدھر ۱۳ بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اِک کو عمر اُدھر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر
غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آیئے ۱۴ حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھایئے
زخمِ سنان و خنجرو شمشیر کھایئے گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہایئے
آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اُپی ہوئی، خنجر بھی تیز ہیں

کاٹے ہیں جس نے بازوئے لختِ دلِ امیر ۱۵ ہے خوب آبدار وہ شمشیرِ بے نظیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر ہر گرز وہ ہے ضرب سے جس کی ہوئے اخیر
تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر
برچھی وہ ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہِ انس و جاں ۱۶ اک بھائی کے فراق میں یہ نالۂ و فغاں
رونے سے جی اٹھیں گے نہ عباسِ نوجواں حضرت پکارتے ہیں کسے، بھائی اب کہاں
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گزر گیا
اب فکر اپنی کیجئے، وہ شیر مرگیا

اکبرؑ نے کی غضب کی نظر سُوئے فوجِ شام ۱۷ کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حُسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام سنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کا یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے ہنگامِ جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

اِن کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب ۱۸ خادم زبانِ تیغ سے دے گا انھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب نعرہ کروں تو شیر کا زَہرہ ہو آب آب
آدابِ شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخمِ جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں

عمّو کو قتل کر کے بہت ہو گئے ہیں شیر ۱۹ ان ظالموں کے زعم میں اب ہے نہیں دلیر
معلوم ہوگا لاشوں کے جب رن میں ہوں گے ڈھیر دیکھیں تو کون اب ہے زبردست، کون زیر
مجمع ہے اُس طرف ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
اچھا یونہی سہی، ہم انھیں کیا سمجھتے ہیں

جوہر دکھائیں ہم کو بہادر ہیں جو بڑے ۲۰ تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
کیا لطف ہے جو ایک پہ سَو مل کے گر پڑے چاہیں جو ہم تو نہر کو لے لیں کھڑے کھڑے
دبتے ہیں سرکشوں سے کوئی جو دلیر ہیں
فاقہ ہو، یا کہ پیاس ہو، پھر شیر شیر ہیں

ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند ۲۱ کوفے میں لیں گے دم جو اُٹھائیں گے پھر سمند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے یہاں جانِ دردمند کاٹیں تبر سے، تیغ سے، خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
تیغِ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ ۲۲ فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشکِ ماہ لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اللہ
غصّہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو

برہم نہ ہو تمھیں سرِ شبیرؑ کی قسم ۲۳ لو گھر میں جاؤ، خیر، سمجھ لیں گے اِن سے ہم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہوں، جو ابھی بددعا کروں
پر اُمّتِ نبیؐ ہے، بجز صبر کیا کروں

یہ سن کے زرد ہوگئے ہم شکلِ مصطفیٰؐ ۲۴ روکر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
وہ وقت، وہ گھڑی نہ دِکھائے ہمیں خدا بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ فنا ہیں، خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضرؑ کی حیات ملی گر تو موت ہے

کیا پہلے سر کٹایئے گا یا شہِ زماں ۲۵ کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ ہاں
آگے جو کچھ رضائے خدا اے پدر کی جاں جیتے ہیں پیر سامنے مرتے ہیں نوجواں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہ سوتے ہیں

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر ۲۶ پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبرؑ بہ چشمِ تر کی عرض رحم کیجئے، مرجائے گا پسر
آگے مرے جو ہوگی شہادت امام کی
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام ۲۷ یا شاہ کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
عمّو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام
عزت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے باپ کے

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب ۲۸ بیٹا تو گھر میں بیٹھے، لڑے باپ تشنہ لب
مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب کیسا لہو سفید ہے دنیا کا، ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گزر گیا
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مرگیا

بہرِ رسولؐ رن کی رضا دیجیے مجھے ۲۹ صدقہ علیؑ کا ، اذنِ وغا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یاامام جِلا دیجیے مجھے یادِ خدا میں دل سے بھُلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبرؑ نثار ہو

شہ نے کہا تمھیں مِرے دل کی نہیں خبر ۳۰ پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہے باپ کو عصائے ضعیفی جواں پسر جب تم نہ ہوگے پاس تو مرجائے گا پدر
ایسے ہنسے نہ تھے کہ ہمیں تم رلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

راتیں یہ عیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن ۳۱ پورے جواں نہیں ابھی کیا ہے تمھارا سِن
اکبرؑ تری جوانی پہ روئیں گے اِنس و جِن کیونکر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بِن
کیسی ہوا چلی چمنِ روز گار میں
سیّد کا باغ لٹتا ہے فصلہِ بہار میں

دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال ۳۲ ہوتی پدر کی قدر، سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یونہی کرتا وہ جب سوال تب جانتے کہ دیتے اُسے رخصتِ جِدال
کیا جانے وہ مزہ جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گِلا نہیں

تسلیم کرکے بولے علی اکبرِ غیور ۳۳ لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور
فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور برچھی لگا کے دل پہ خوشامد یہ کیا ضرور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو رضامند کیجیے

ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار ۳۴ تم سے جو سَو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امیدوار ہاں ماں نہ جانے دے تو مِرا کیا ہے اختیار
سینے میں دل ہلے گا بدن تھر تھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اس کو آئے گا

سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاہ ۳۵ معلوم ہوگا جاؤ گے جب سُوئے خیمہ گاہ
بانہیں گلے میں ڈالے گی زینبؑ بہ اشک و آہ قدموں پہ گر کے آپ کی ماں ہوں گی سدِّ راہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

حسرت یہ ایک کو ہے کہ دولھا بنے پسر ۳۶ آئے دلھن جو چاند سی آباد ہو یہ گھر
پوتے کی آرزو میں ہے اک سوختہ جگر نخلِ مراد کا یہی دنیا میں ہے ثمر
ہر دم یہی ہے ذکر جو فضلِ الٰہ ہو
اُنّیسویں برس علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

ماں کہتی تھی بناؤں گی دولھا اسی برس ۳۷ مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہے ہوس
کچھ اس میں زور ہے نہ ہمارا، نہ اُن کا بس ہم بھی مریں گے خیر، نہیں اتنا پیش و پس
شِکوَہ ہے چرخ کا، نہ شکایت ہے آپ کی
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی

روتے ہوئے چلے علی اکبرؑ سُوئے خیام ۳۸ کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی پہ آیا وہ نیک نام دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
دامن سے آ کے بالی سکینہ چمٹ گئی
زینبؑ بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گل عِذار ۳۹ تم صبح سے گئے تھے، اب آئے، یہ ماں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار کھولو بس اب کمر کو مِرا دل ہے بے قرار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

تر ہے قبا پسینے میں پنکھا کوئی ہلاؤ ۴۰ سنو لا گئے ہو دھوپ میں واری ہوا میں آؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی، بیٹھ جاؤ گھٹ جائے گا لہو مِرا، آنسو نہ تم بہاؤ
صدمہ جو دل پہ ہوا سے کچھ منہ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

صغریٰ کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر ۴۱ جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبرؑ نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر لٹتا ہے کوئی آن میں خیرُ النسا کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں، آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

اس وقت کس سے دردِ دل اپنا کہوں میں آہ ۴۲ تم بھی ہو سدِّ راہ، پھوپھی بھی ہیں سدِّ راہ
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ امّاں مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
اب زندگی ہے تلخ بہت دق ہیں جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

دیتے نہیں رضا جو امام فلک اساس ۴۳ خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
اب غیرِ یاس کوئی نہیں ان کے آس پاس ناطاقتی ہے، ضعف ہے، فاقہ ہے اور پیاس
کیوں کر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری ہے، دل ضعیف ہے، اعضا ضعیف ہیں

عباسؑ جب سے مر گئے روتے ہیں دم بہ دم ۴۴ رُخ زرد ہے، کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
چلّوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیٔ ستم قرباں ہو کس طرح پسرِ فاطمہؑ پہ ہم
سب روکتے ہیں، رن کی طرف جائیں کس طرح
ماں کو، پھوپھی کو، بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ ۴۵ راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مِرے پاس سے نہ جاؤ یا فاطمہؑ تمھیں علی اکبرؑ کے کام آؤ
چلنے لگیں نہ تیر شہِ مشرقین پر
نرغہ ہے ظالموں کا تمھارے حسینؑ پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابیٔ پسر ۴۶ وارث کی بے کسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر دولت پہ فاطمہؑ کی تصدق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا، نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لئے تمھیں کب روکتی ہوں میں

زہراؑ کے لال پر مِرے مادر پدر نثار ۴۷ عابدؑ نثار، اصغرِؑ تشنہ جگر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا، لاکھ سر نثار قربان گھر، کنیز تصدُّق، پسر نثار
گھبرائی گو کہ ہوں، پہ بہو میں علیؑ کی ہوں
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سخی کی ہوں

مجھ پر حوالے کرتے ہیں گر شاہ خوش خصال ۴۸ رخصت نہ تم کو دوں، یہ بھلا ہے مِری مجال
صدقہ انھی کا ہے کہ ملا تم سا نونہال رخصت کا صدقے جاؤں پھوپھی سے کرو سوال
ہم سب کنیزیں بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
اصغرؑ ہو یا کہ تم، وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمھارے سب ۴۹ لیکن ہے اُن کے عشق سے نسبت کسی کو کب
دن کو انھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب لیجے انھیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب

مجھ سے نہ کچھ، نہ سیدِ عالی سے پوچھیے
گر پوچھیے، تو پالنے والی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبرؑ پھوپھی کے پاس ۵۰ دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
زانو پہ سر لئے ہوئے کبریٰ ہے بے حواس اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلامِ یاس

اب تاب وطاقتِ جسد و روح و دل گئی
کیوں صاحبو! رضا علی اکبرؑ کو مل گئی؟

اکبرؑ سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب ۵۱ اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بہ لب
اِس گُل نے ہائے میری ریاضت بھُلائی سب نامِ خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب

ہیں محورن کے شوق میں، رخصت کے دھیان میں
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

یا بے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم ۵۲ مالک اب اور ہوگئے، کوئی ہوئے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم ہے ہے وہ میرا دردِ مصیبت ، وہ رنج وغم

جاگی ہوں میں جو چونک کے راتوں کو روئے ہیں
پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن سے سوئے ہیں

کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی ۵۳ بے میرے لیٹے نیند انھیں آتی نہ تھی کبھی
بے اُن کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی روئیں پسر، پہ ان کو رلاتی نہ تھی کبھی

میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی، ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

ہر چند دونوں تھے مِرے فرزند خورد سال ۵۴ پر اِن کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال میں کہتی تھی ہٹو، علی اکبرؑ ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مِری چھاتی پہ سوتے تھے

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا ۵۵ پر عونؑ کیا عقیل تھا، بخشے اُسے خدا
دن رات تھی خوشامدِ ہم شکلِ مصطفیٰؐ سینے پہ جب یہ سوئے تو اس نے یہی کہا
آقا کے نورِعین ہیں عالی مقام ہیں
اماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرتِ قمر ۵۶ الفت میں اِن کی مجھ کو کچھ اُن کی نہ تھی خبر
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر صورت پہ تھی انھی کی، تلاوت میں بھی نظر
غافل نہ اُن کے پیار سے میں ایک آن تھی
قرآں تو رحل پر تھا، حمائل میں جان تھی

میں نے انھی پہ صدقے کئے اپنے دونوں لال ۵۷ تسکین تھی کہ باقی ہے اکبرؑ سا نونہال
مانگے تو آ کے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
کیا خوب، جیتے جی مِرے جائیں گے مرنے کو
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار ۵۸ اب کیا غرض، گزر گئی وہ فصل وہ بہار
بھیگیں مسیں، نمود ہوا سبزۂ عذار مالک ہیں خود بھلا مِرا اب کیا ہے اختیار
ثابت ہوا اُدھر سے اُدھر مرنے جائیں گے
میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہ آئیں گے

باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے ہم کلام ۵۹ بھابی نے کیوں لیا تھا ابھی رو کے میرا نام
سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام آنکھیں تو آپ کھولیے ، حاضر ہے یہ غلام
خادم جدا نہ تھا شہِ گردوں سریر سے
کس جُرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے، یہ عتاب ۶۰ کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضئ جناب
روتا ہوں اب کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب شِکوَہ یہ خاکسار کا ہے بنتِ بوتراب
ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالا ہے مجھ کو مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی ۶۱ کرتی ہے روح شکر، وہ راحت مجھے ملی
یوسفؑ کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی رکھّا عزیز آپ نے، عزت مجھے ملی
صدقہ ہے اس قدم کا جو سر تا فلک گیا
کی مہر آفتاب نے، ذرّہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام ۶۲ بندے ہیں ہم اطاعتِ مالک ہے ہم کو کام
تکرا رکی مجال، نہ اصرار کا مقام مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
روتی ہیں آپ کس لئے، اچھا، نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار ۶۳ بس ہوگئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اٹھّیں بحالِ زار شکوے کے بدلے منہ سے یہ نکلا کہ میں نثار
اُمڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

لے کر بلائیں بولیں کہ واری، خفا نہ ہو ۶۴ صدقے ہے تم پہ جان ہماری، خفا نہ ہو
باتیں تھیں یہ تو پیار کی ساری، خفا نہ ہو روتے ہو کیوں، منگاؤ سواری، خفا نہ ہو
آئے بلا حسینؑ پہ جو اُس کو رد کرو
اچھا سدھارو دکھ میں پدر کی مدد کرو

الفت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر ۶۵ اٹھا یہ دل میں درد کہ تھرّا گیا جگر
کبریٰؑ کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر
میں روکنے نہ پائی کہ وار ان کا چل گیا
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا

کیا جا کے اب نہ آئے گا گھر میں یہ نونہال ۶۶ ہے ہے مِری کمائی پہ آجائے گا زوال
جس وقت سے شہید ہوئے رن میں دونوں لال بے ہوش ہوں، حواس میں ہے میرے اختلال
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپ میں نہ ہو، سخن اُس کا سند نہیں

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب ۶۷ میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
لو مجھ پہ اب کھُلا کہ یہ رخصت کی ہے طلب اکبرؑ کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب
اصلا خبر نہیں مِرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا، اکبرؑ نے کیا کہا

کیا کہہ دیا کہ مرنے کو جائے یہ گُل بدن ۶۸ راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مِرا چمن
بےخود ہوں جب سے رن میں سدھارے شہِ زمن کہتی ہوں کچھ زباں سے، نکلتا ہے کچھ سخن
اتنی خبر نہیں علی اکبرؑ کے پیار میں
قابو میں ہے نہ دل، نہ زباں اختیار میں

زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں ۶۹ اس پیاس میں شہید ہوں، فاقوں میں زخم کھائیں
اٹّھار واں برس ہے دلھن تو مجھے دِکھائیں پالا ہے ننھے پن سے مُرادیں مِری بر آئیں
مرتی ہوں اشتیاق میں سہرا تو دیکھ لوں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مِرا پھٹتا ہے اب جگر ۷۰ ایسا نہ ہو کہ باتوّئے بے کس کو ہو خبر
گر سُن لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر پیارا ہوا نہ بنتِ علیؑ کو مِرا پسر
سمجھی تھیں کیا جو دی اسے رخصت جدال کی
زینبؑ نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

سچ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں ۷۱ ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی، وہ پھر ہے ماں
آنکھوں کا نور، قلب کی طاقت بدن کی جاں آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ لاماں
کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خیر ہے
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں، پھر غیر غیر ہے

ماں کی نہ کم توجہی اور نہ کسی کا پیار ۷۲ غصہ ہو یا کہ سخت کہے، دل میں ہے نثار
بلبل فدا ہے گُل پہ، شکایت کرے ہزار دنیا میں عاشقو ں کے دلوں کو کہاں قرار
دیں ماں کا ساتھ نامِ خدا اب جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال، پھر اس کی تو جان ہیں

جس دم سنے یہ دُور سے بانوؑ نے سب کلام ۷۳ آئی قریبِ حضرتِ زینبؑ وہ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہرِ امام میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

لونڈی ہے فاطمہؑ کی کنیزوں میں باوفا ۷۴ ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گِلا
حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا
کچھ جائے گفتگو ہے نہ ماں کو نہ باپ کو
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو

غم کھایئے نہ خونِ جگر آپ کیجیے ۷۵ عابدؑ کو بھیج دیجیے، اصغرؑ کو لیجیے
ہے اختیار دیجیے رخصت، نہ دیجیے قربان جاؤں، جو ہو مناسب، وہ کیجیے
شادی ہو یا کہ غم ہو، شریکِ ثواب ہُوں
ہر طرح سے میں تابعِ حکمِ جناب ہوں

گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں ۷۶ شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
کِسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں، سلطاں کی جائی ہوں لونڈی ہوں آپ کی، علی اکبرؑ کی دائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جو شہ کو عزیز ہوں
بھاوج مجھے نہ جانیے، ادنیٰ کنیز ہوں

آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال ۷۷ دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

قسمت بُری ہے اس میں کسی کا قصور کیا ۷۸ اچھا، رہیں کہ جائیں، ہمارا بھی ہے خدا
پروا ہماری ہے نہ خیال ان کو آپ کا تابع ہم آپ کے بھی ہیں، ان پر بھی ہیں فدا
عابدؑ ہوں یا کہ یہ، سبھی آنکھوں کے تارے ہیں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں نہ ہمارے ہیں

یہ سُن کے کانپنے لگی زینبؑ جگر فگا ر ۷۹ آئی صدائے فاطمہؑ بیٹی پہ ماں نثار
اللہ یہ محبتِ فرزند اور یہ پیار تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گُل عذار
رخصت نہ دے گی تُو اگر اس نورِ عین کو
کون اب بچائے گا مِرے بیکس حسینؑ کو

آواز سُن کے کانپ گئی بنتِ مرتضیٰؑ ۸۰ باتوؔ کے منہ کو دیکھ کے اکبرؑ سے یہ کہا
واری سدھارو خیر جو کچھ مرضیٔ خدا ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنتِ نبیؐ تمھاری سفارش کو آئی ہیں

تسلیم کرکے خیمے سے وہ سیم بر چلا ۸۱ پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
باتوؔ پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا چلّاتی تھی پھوپھی مِرا لختِ جگر چلا
لٹتے ہیں اہلبیتؑ، دُہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

بھائی کے غم سے عابدِ بیکس تھے بے قرار ۸۲ اُٹھتے تھے اور زمین پہ گر تے تھے بار بار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیّا ترے نثار سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بحالِ زار
اک حشر تھا، جدا علی اکبرؑ جو ہوتے تھے
جھُولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغرؑ بھی روتے تھے

ہلتا تھا خیمہ رانڈوں میں تھی یہ دھڑادھڑی ۸۳ آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی لڑی
کوئی اِدھر کو غش تھی، کوئی تھی اُدھر پڑی آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسینؑ کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور ۸۴ خادم نے دی صدا کہ بر آمد ہوئے حضور
حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہو ں اب جو حکمِ شہِ نامدار ہو
روکر کہا حسینؑ نے اچھا، سوار ہو

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار ۸۵ گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانیٔ براقِ فلک سیر راہوار صرصر سے تندو تیز، تو بجلی سے بے قرار
یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

حضرت تو یاں زمیں پہ گرے تھام کر جگر ۸۶ جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
آتا ہے اک جوانِ حسیں، غیرتِ قمر چہرہ پہ جس کے نورِ محمدؐ ہے جلوہ گر
شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے
کہتے ہیں سب بشر نہیں، قدرت خدا کی ہے

ہے دھُوم ذرّے ذرّے میں اس آفتاب کی ۸۷ خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک وگلاب کی
سر تا قدم ہے شان رسالت مآب کی تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی
گھوڑے کے گرد جنّ و ملک کا ہجوم ہے
صلُّو علَی النبیؐ کی بیاباں میں دھوم ہے

روشن کیا ہے روئے منوّر نے راہ کو ۸۸ رُخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو آغوش میں لئے ہے شبِ قدر ماہ کو
چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہُوا ۸۹ گویا رسولؐ پاک کا رن میں گزر ہُوا
چلّائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہُوا ہنگامِ ظہر تھا، یہ گمانِ سحر ہُوا
جلوہ دکھایا برقِ تجلّیٔ طُور نے
خورشید کو چھپادیا چہرے کے نور نے

غش ہوگیا کوئی کوئی گر کر سنبھل گیا ۹۰ صلِّ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا چمکا جو نور دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا
دریائے نورِ حق کا فقط اوج موج تھا
سب پست تھے زمیں کے ستارے کا اوج تھا

صحرا کو شمعِ حُسن نے تابندہ کردیا ۹۱ جو مردہ دل تھے دم میں انھیں زندہ کردیا
ذرّوں کو آفتابِ درخشندہ کردیا گردوں کو اِس زمین نے شرمندہ کردیا
پایہ زمیں کا عرش کے ہم دست ہوگیا
جلوے سے اوجِ کاہکشاں پست ہوگیا

اللہ رے نبیرۂ مشکل کشا کی شان ۹۲ تھی جس کے عضوعضو سے پیدا خدا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان حمزہؓ کا رعب، زورِ علیؑ، مصطفیٰؐ کی شان
پاکیزگی نسب میں، بزرگی صفات میں
شیرینیٔ کلامِ حَسنؑ بات بات میں

کچھ حُسن بچپنے کا تو کچھ عالمِ شباب ۹۳ وہ گُل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب پُتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب
گردن کی ضَو میں طَور تجلّیِ طُور کے
سب عضوِ تن ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

دل پاک، روح پاک، نظر پاک، جسم پاک ۹۴ طینت میں آبِ خلد تھا اور کربلا کی خاک
غرفوں سے جس کے حُسن کی حوروں کو جھانک تاک یوسف جو دیکھ لے تو کہے **رُوحُنا فِداک**
نام اس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
سَو بار پڑھ کے سورۂ نور اُس پہ دم کیا

کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ ۹۵ رکھتی تھی رعب یہ نہ عجم نے عرب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف، نہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ غصّہ ستم کا قہر کی چتون، غضب کی آنکھ
پانی تھا خوفِ جاں سے جگر ہر دلیر کا
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا

غل تھا رسولِؐ پاک کے ثانی کو دیکھنا ۹۶ حُسنِ بہار باغِ جوانی کو دیکھنا
کھِلتے ہیں گُل، شگفتہ بیانی کو دیکھنا یہ سب تو ہے، یہ غنچہ دہانی کو دیکھنا
نازک لب اس صفت کے، دہن اس طریق کا
خاتَم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

کچھ عمر بھی نہیں ابھی اٹّھارواں ہے سال ۹۷ یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
قامت یہ ہے کہ سروِ گلستانِ اعتدال ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہوئے گی
بتلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوئے گی

زخمی جو ہوگی تیر سے یہ چاند سی جبیں ۹۸ پٹکے گی سر کو خاک پہ باتوّئے دل حزیں
تیغوں سے جب کٹیں گے یہ رخسارِ نازنیں پیٹیں گے دونوں ہاتھ سے منہ اپنا شاہِ دیں
سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ایّوبؑ بھی جو ہوں تو کلیجہ نکل پڑے

ناگاہ فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام ۹۹ یہ وقتِ کارزار ہے اے ساکنانِ شام
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہِ خاص و عام مارا گیا یہ شیر تو مرجائیں گے امام
لُوٹو جنابِ فاطمہؑ زہرا کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسینؑ کے گھر کے چراغ کو

تصویر مصطفیٰؐ کی مٹائے گا آج جو ۱۰۰ کہتا ہوں میں کہ صاحبِ جاگیر ہوگا وہ
محبوبِ کبریا کے مشابہ ہے گر، تو ہو اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اسے نہ دو
ہے اس سے کیا مراد حسیں ہے، کہ نیک ہے
دولاکھ اس طرف ہیں، دلاور وہ ایک ہے

دُنیا نہ جائے، دین کا گر ہو تو ہو ضرر ۱۰۱ ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
تم آب دیدہ ہو لبِ خشک اس کے دیکھ کر قطرہ نہ دوں میں گھٹنیوں اصغرؑ بھی آئے گر
غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو
اولادِ مرتضیٰؑ میں کسی کا نشاں نہ ہو

ہاں غازیو، نہ اس کی جوانی کا غم کرو ۱۰۲ نیزے پہ نیزے مارو، ستم پر ستم کرو
برچھی اٹھا وٴ ہاتھوں میں، تیغیں علم کرو نخلِ مرادِ سبطِ نبیؐ کو قلم کرو
بیٹا نہ جب رہا تو کدھر جائیں گے حسینؑ
گھوڑے سے یہ گرے گا تو مرجائیں گے حسین

چھد جائے گا سناں سے جو اس شیر کا جگر ۱۰۳ تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی ہے ہے مرے پسر نکلے گی خیمہ گاہ سے زینبؑ برہنہ سر
حضرت تو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے
ہم لُوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے

یہ گُل عذار دخترِ حیدرؑ کی جان ہے ۱۰۴ بہنوں کی زندگی ہے، برادر کی جان ہے
بابا کی روح ہے ، تنِ مادر کی جان ہے بے جاں کرو اسی کو، یہ سب گھر کی جان ہے
جوشن یہی ہے بازوئے برناو پیر کا
بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

یہ سُن کے فوجِ کیں ہوئی آمادۂ نبرد ۱۰۵ دردِ دلِ حسینؑ کا تھا ایک کو نہ درد
غل سن کے ہوگیا شہِ والا کا رنگ زرد کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہِ سرد
ماں گر پڑی زمیں پہ، پھوپھی بلبلا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبرؑ پہ چھا گئی

قرنا پھُکی سپاہ میں طبلِ وغا بجا ۱۰۶ باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جابجا
پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا چلّائے اہلبیتؑ کہ ہے ہے یہ کیا بجا
حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں
رانڈو! دعا کرو، علی اکبرؑ اکیلے ہیں

لڑنے کو اس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے ۱۰۷ تنہا ادھر سے اکبرؑ عالی نسب بڑھے
چومے قدم نہیب نے جھک کر یہ جب بڑھے گویا پئے جہاد امیرِ عربؑ بڑھے
دہشت سے فوجِ شام کی بدلی سمٹ گئی
قدرت خدا کی، دن جو بڑھا رات گھٹ گئی

ڈھالوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حَسُود ۱۰۸ گو تھے کئی ہزار پہ کیا ان کی ہست و بود
تھرّا گیا تمام جنودِ سَقَر وُرُود نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود
عبرت سپاہِ شام پہ دہ چند ہوگئی
باجوں کی فوجِ کیں کے صدا بند ہوگئی

جرّار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ ۱۰۹ صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغِ شعلہ رنگ
چمکا اک آئینہ کہ ہوئی فوجِ شام دنگ دکھلائے تیغِ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر ۱۱۰ جاتا ہے داؤں کرکے غزالوں پہ جیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر کُشتوں کے پُشتے ہوگئے دم میں، سروں کے ڈھیر
اک سَیل زور شور سے آئی گذر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اوّل کدھر گئی

جب یہ بڑھے، لہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا ۱۱۱ باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا پس دفعۂ سپاہ کا دفتر الٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہوگئے
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہوگئے

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی ۱۱۲ جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغِ ہلالی نظر پڑی سُوئے جنوب فوج شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغِ تیز نہیں، موت آتی ہے
کیونکر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر اُدھر ۱۱۳ چھُپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر اُدھر
پیشِ نظر تھے خون کے تھالے اِدھر اُدھر ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے اِدھر اُدھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانہ، نہ باب کا
شیرازہ کھُل گیا تھا ستم کی کتاب کا

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا، سپر کٹی ۱۱۴ چار آئینہ کٹا، زرہِ خیرہ سر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی سینہ کٹا، جگر ہوا زخمی، سپر کٹی
رہوار بھی دونیم میانِ مصاف تھا
اِن سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

وہ گھاٹ باٹ اور وہ اس کی چمک دمک ۱۱۵ کانپی کبھی زمیں، کبھی تھرّا گئے فلک
شعلے میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاوِ زمین سمٹی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

سیدھی چلی وہ جب، صفِ دشمن الٹ گئی ۱۱۶ باقی تھی جتنی عمر، تہِ تیغ کٹ گئی
آکر زمیں پہ جب سوئے گردن پلٹ گئی بجلی سے رعد، رعد سے بجلی لپٹ گئی
گرتے تھے جن زمین پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
ہٹتے تھے جبرئیلِ امیں کانپ کانپ کے

ملتا نہ تھا صفوں میں علَم کا نشاں کہیں ۱۱۷ چلّے کہیں تھے، شست کہیں، اور کماں کہیں
نیزے کہیں تھے، ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں جمدھر کہیں، کمند کہیں، برچھیاں کہیں
اک اک سیاہ رُو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

چمکی، گری، اٹھی، اِدھر آئی، اُدھر گئی ۱۱۸ خالی کئے پرے، تو صفیں خوں میں بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی ندّی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سر خود سروں کے چنبرِ گردن سے اُڑ گئے ۱۱۹ ہاتھ آستیں سے اُڑ گئے، سر تن سے اُڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اُڑ گئے پائی جو راہ طائرِ جاں سن سے اُڑ گئے
تھے قتلِ عام پر علی اکبرؑ تُلے ہوئے
رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

اللہ رے دوآبۂ تیغِ دودم کی کاٹ ۱۲۰ آفت تھی جس کی باڑھ، قیامت تھا جس کا گھاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ ہر دم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کی کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغزِ قلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی ۱۲۱ تن سے اُڑا دیا وہی سر، جس کو پا گئی
ہر اِک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی
چار آئینہ کا کاٹ اسی پر حوالہ تھا
ذکر اس کا کیا ہے، خود تو منہ کا نوالہ تھا

یارا قَرار کا تھا نہ صورت فرار کی ۱۲۲ پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
رُوئیں تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی ٹکڑے تھے ہاتھ دو کے یہ گھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیُوْ کا
بجلی کی تھی کڑک، کہ طمانچہ تھا دیو کا

اتری زمیں پہ وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی ۱۲۳ دم بھر میں آبِ تیغ کی ندّی عجب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اتری یہ، کب چڑھی سب کو بخارِ تیغ سے لرزے کی تب چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تُل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھُل گئے

زندہ کسی کو تیغِ دودم چھوڑتی نہ تھی ۱۲۴ پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لئے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی بھاتیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

قعرِ سَقَر میں کُشتۂ ضربِ نُخُست تھے ۱۲۵ بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
قبضہ میں تھا نہ زور، نہ بازو درست تھے کھینچیں کِسے، کمانوں کے بازو بھی سست تھے
ہر کج نہاد تیرِ اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی تھے قلم، یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عَربدہ جُو پھینکنے لگے ۱۲۶ مِغفر سروں کے مثلِ سبو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لبِ جُو پھینکنے لگے تکا سمجھ کے تیر عدُو پھینکنے لگے
ترکش بھی اہلِ ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلّے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے

کرتے تھے فتح جنگ کو جو ایک آن میں ۱۲۷ رعشہ تھا اُن کے ہاتھ میں، لکنت زبان میں
الجھاتے تھے کمند کمینے کمان میں ترکش میں تیغ رکھتے تھے، نیزوں کو میان میں
تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب، تو سپر پھینک دیتے تھے

بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے ۱۲۸ پہلے اُنھی کو مار لیا رول رول کے
حملہ کیا جو تیغِ دودم تول تول کے ہتھیار سب نے پھینک دیئے کھول کھول کے
اس شان سے کبھی نہ عجم، نے عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبرؑ غضب لڑے

دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے ۱۲۹ اس گھاٹ پر جو آئے سر اُن ک اتر گئے
رستہ تھا ایک اِدھر وہ گئے یا اُدھر گئے پھر پھر کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے
نار اُن کے اشتیاق میں، آب اُن کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے آب میں، پانی نے آگ میں

وہ حرف، وہ شکوہ، وہ شانِ پیمبری ۱۳۰ نعرے وہ زور و شور کے وہ ضربِ حیدرّی
وہ تیغِ خوں چکاں، وہ جلالِ غضنفری راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری
چالاک آہُوانِ ختن اس قدر نہ تھے
اُڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پر نہ تھے

باریک جِلد وہ کہ نظر آئے تن کا خوں گنڈے کو دیکھ کر مہِ نو ہووے سرنگوں
رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنوں غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوتی کو کیا کروں
قرباں ہزار جاں فرَسِ بے نظیر پر
سُوفار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

کوتاہ و گردو صاف کنوتی کمر کفل ۱۳۲ کیا خوشنما کشادگیٔ سینہ و بغل
سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل پھرتھا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی اس کے لئے تازیانہ تھا

وہ جست خیز سرعتِ چالاک کی سمند ۱۳۳ سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے بند بند
دم قُرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم، سر بلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا، باگ اُڑ گیا
پُتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال ۱۳۴ کبکِ دری خجل، پرِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا ۱۳۵ آیا عرق تو ابرِ گہر بار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبدِ دوّار بن گیا نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سے جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

جب اُس جری نے قتل کئے پانچ سَو جواں ۱۳۶ ہر صف سے، ہر پرے سے اٹھا شورِ الاماں
چلّا یا ابن سعدِ سیہ قلب و سخت جاں نکلیں وہ دس ہزار کماندار ہیں کہاں
برچھی کا اب ہے کام، نہ تلوار چاہیے
اس ناتواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

فاقہ ہے تین روز کا سولہ پہر کی پیاس ۱۳۷ دیکھے نبیرۂ اسد اللہ کے حواس
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس برساؤ تیر دور سے جاؤ نہ اس کے پاس
بپھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب اٹھ سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

یہ سُن کے تشنہ لب پہ چلے چار سُو سے تیر ۱۳۸ پتھر عقب سے پڑنے لگے، روبرو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر سب سرخ تھے شبیہِ نبیؐ کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راہوار ۱۳۹ بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
سر خاک پر گرانے لگی تیغِ آبدار تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ رخ اُن کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

یوں آ گیا سنانوں میں وہ آسماں جناب ۱۴۰ ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیرِ آب طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگی جواب
آمد ہوئی تھی غش کی، سرِ پاک جھک گیا
وا حسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رُک گیا

اس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم ۱۴۱ لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بہ دم نکلے ہوئے رکابوں سے تھرّاتے تھے قدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ تکاں کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار ۱۴۲ قربانِ جرأتِ پسرِ شاہِ نامدار
زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار ماری شقی کے دوڑ کے اک تیغِ آبدار
پہنچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز ہے ستم ۱۴۳ یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
رکھ دی گلے پہ شیث نے شمشیرِ تیز دم تلوار اِک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
غل تھا کرو نہ رحم تنِ پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبرِ مہرو کی لاش پر

حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب ۱۴۴ سُن کر یہ غل، رہی نہ دلِ ناتواں کو تاب
ناگاہ رن سے آئی صدا اے فلک جناب بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آیئے شتاب
لاشے پہ ظلم و جور بد افعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہلِ کیں ہمیں پامال کرتے ہیں

سُن کر یہ استغاثۂ فرزندِ خوش خصال ۱۴۵ سیّد نے آہ کی کہ ہلا عرشِ ذوالجلال
کھولے جنابِ فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال بانو پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال
ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مِری بستی اجڑ گئی

نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر ۱۴۶ کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے ہے مِرا پسر
پردہ نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہوں میں

بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہِ نامدار ۱۴۷ وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ، وہ اضطرار
دل تھا الٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بے قرار اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلّاتے تھے شبیہِ پیمبرؐ ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہیں

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے ۱۴۸ اے نورِ عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے زخمی ہے قلب، روح کی راحت میں فرق ہے
داغِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

آؤں کدھر کو اے علی اکبرؑ جواب دو ۱۴۹ چلّا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
اکبرؑ برائے خالقِ اکبر جواب دو بیٹا جواب دو مِرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہیں کہ کدھر جاؤں کیا کروں ۱۵۰ اے نورِ چشم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤں کیا کروں کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے میں لاؤں کیا کروں
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لال ہم نے کھودیا جنگل میں آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل ۱۵۱ اے جسمِ زار زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں تن مجروح سے نکل ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
چھُوٹے نہ اس کا ہاتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

جنگل سے بے حواس پھرے نہر پر گئے ۱۵۲ واں بھی جو وہ گہر نہ ملا سُوئے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے
ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو مِلا
لیکن کہیں نہ وہ پسرِ ماہ رُو مِلا

جاکر صفوں کے پاس پکارے بہ اشک و آہ ۱۵۳ ہے کس طرف مِرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
اے ظالمو یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ کس ابر میں چھپا ہے مِرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جان ہے کہ نہیں جسمِ زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مِرا کس کچھار میں

لاشِ پسر کو ڈھونڈتے تھے شاہِ بحر و بر ۱۵۴ سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہلِ شر
کہتا تھا شمر اے پسرِ سیّدُ البشرؐ کس کو حضور ڈھونڈتے ہیں، مرگیا پسر
خود ڈھونڈ لیجیے جسدِ پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبرؑ کی لاش کو

یہ سُن کے کھینچ لی شہِ والا نے ذوالفقار ۱۵۵ چمکی جو برقِ تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار چلّائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مِرے نورِ عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشمِ نم ۱۵۶ ہے ہے اسی میں تھے مِرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لوں میں اسیرِ غم اکبرؑ کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتھ پاؤں مِرے آفتاب کے
قرباں تری لگام کے، صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوئے دشت کی نظر ۱۵۷ یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے اُدھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشمِ تر گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطانِ بحر و بر
جنگل میں لاشۂ پسرِ نوجواں ملا
وہ مہ لقا ملا تو، مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں ۱۵۸ پیکاں گلے میں، ہونٹوں سے نکلی ہوئی زباں
تن پر جراحتِ تبروخنجرو سناں گردن تھی کج پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں
ٹاپوں سے مرکبوں کے جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید، خاک میں گیسو اَٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں واکر کے چشمِ تر ۱۵۹ اے جان جسمِ زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سیّدِ والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے ۱۶۰ حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر، جواں یوں جہاں سے جائے اے لال تین روز کے فاقے پہ زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گل عذار ۱۶۱ کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بے قرار بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبرؑ تمھاری ماں نہ جیے گی فراق میں

غش میں سُنا جونہی علی اکبرؑ نے ماں کا نام ۱۶۲ کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی میں جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبرؑ میں کیا کروں ۱۶۳ پانی نہیں ہے مجھکو میسّر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
بیٹا تمھاری ساقیٔ کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر ۱۶۴ اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر انگڑائی لے کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہِ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راویٔ غمگین و پُر ملال ۱۶۵ یعنی اِدھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زنِ فاطمہ جمال گویا جنابِ سیّدہؑ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اُس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلّاتی تھی ارے مِرا پیارا ہے کس طرف ۱۶۶ اے آسماں وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابرِ شام، چاند ہمارا ہے کس طرف اے ارضِ کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سناں سے جان گئی میہمان کی
میّت کدھر کو ہے مِرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو ۱۶۷ ہے ہے مِری غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہا ں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارہواں برس تھا کہ موت آ گئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مِرے سعید و رشید و متیں جواں ۱۶۸ خوش رُو جواں، غریب جواں، مہ جبیں جواں
صفدر جواں، شکیل جواں، نازنیں جواں کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسیں جواں
آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے مُسِن نہ تھے
بچے مِرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر ۱۶۹ سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوحہ گر آئے اُدھر سے لاش لئے شاہِ بحر و بر
دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بیبیاں لپٹ گئیں اکبرؑ کی لاش سے

ہاں شاہ دیں کے تعزیہ دارو بُکا کرو ۱۷۰ ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بُکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے پہ مارو، بُکا کرو اکبرؑ جہاں سے اٹھ گئے یارو بُکا کرو
سمجھو شریکِ بزم شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بیٹے کا پُرسہ حسینؑ کو

اولاد والو درد کرو شہ کے دل کا یاد ۱۷۱ نے آج کی خبر ہے، نہ ہے کل کا اعتماد
کیسا تڑپتے ہوئیں گے شبیرؑ خوش نہاد بیٹا جہاں سے اٹھ گیا ناشاد و نامراد
خوش رُو تھے، خوش مزاج تھے، شیریں بیان تھے
پیٹو جوانوں اکبرِؑ مہرُو جوان تھے

ہے ہے حسینؑ آپ کا دلبر بچھڑ گیا ۱۷۲ فریاد ہے شبیہِ پیمبرؐ بچھڑ گیا
واحیف، وادریغ، دلاور بچھڑ گیا دردا و حسرتا علی اکبرؑ بچھڑ گیا
مظلومیت پہ، تشنہ دہانی پہ روئیں گے
جب تک جئیں گے، اُس کی جوانی پہ روئیں گے

آقا انیسؔ ہند میں کب تک پھرے تباہ ۱۷۳ گھٹتی ہے عمر، بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ
ضعف اس برس بہت ہے اجل آنہ جائے آہ بلوایئے غلام کو اے میرے بادشاہ
قُربِ مزار شاہِ دوعالَم نصیب ہو
بس کربلا میں اب کی محرّم نصیب ہو